25273

٣/٢

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۱۲۵/۷

باسمہٖ تعالیٰ

علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں
مجھے ایک صاحب کو ۳۰/ لاکھ دینے ہیں۔ میرے
پاس نہیں ہیں اور قرض حسنہ مل نہیں رہا۔ کسی اور
سے لیتا ہوں تو وہ اوپر اضافی پیسے مانگتا ہے۔
اگر میں اسکو جگہ بیچتا ہوں اور زیادہ پیسوں میں
خریدتا ہوں کیونکہ میری آٹا پیسنے کی دوکان
اور چکی ہے۔ مشین ایک لاکھ روپے تک کی ہے جبکہ دوکان
کی مالیت زیادہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ!

(۱) اگر میں کم مالیت کی مشین تیس لاکھ میں کسی کو بیچ کر ادھار
مثلاً 32 لاکھ میں واپس خرید لوں تو جائز ہے؟

(۲) دوکان کا کچھ حصہ جسکی مالیت تیس لاکھ بنتی ہو
وہ نقد بیچ کر اسی سے 32/ لاکھ ادھار میں خرید لوں تو ایسا
کرنا جائز ہے؟

(۳) اگر یہ صورتیں جائز نہ ہوں تو آپ کوئی متبادل صورت
بتادیں کیونکہ مجھے رقم کی سخت ضرورت ہے اور
جاری ....

عدالت میں کیس ہے جبکہ قرض حسنہ ملنے کا کوئی
امکان نہیں ہے۔

سائل۔

محمد علی خان

محمد علی خان

پاپوش نگر چاندنی چوک اورنگ آباد

182 گروپ نمبر 8 کراچی

0333-3029706

دار الافتاء

(جواب منسلک ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

(۲،۱)..........سوال میں ذکر کردہ دونوں صورتیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں مشین یا حصۂ دوکان کی خرید وفروخت حقیقۃً مقصود نہیں بلکہ قرض کا لین دین مقصود ہے، اور اس قرض پر اضافی رقم یعنی سود کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا جارہا ہے۔ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ دونوں صورتیں شرعاً جائز نہیں، ان کو اختیار کرنے اور اس طرح کا معاملہ کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ (مأخذۂ التبویب:۱۴/۳۰/۷۴۳۰،۹/۷۹،۱۹۱۸)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیع کی ایک صورت یعنی شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن کے حیلۂ سود ہونے کی وجہ سے ممنوع وناجائز ہونے کی تصریح حضراتِ فقہاءِ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقریباً تمام کتب میں موجود ہے، اور سوال میں جو صورت ذکر کی گئی ہے یہ شراء ما باع بأكثر مما باع بعد نقد الثمن کی صورت ہے، یہ اگرچہ ظاہری طور پر مذکورہ بالا پہلی صورت کا عکس ہے مگر معنیً اس کے مشابہ ہے کیونکہ پہلی صورت میں مشتری خرید کردہ چیز کو کم قیمت میں دوبارہ بائع کو بیچ کر اپنے اوپر اضافی رقم لازم کرتا ہے جبکہ اس دوسری صورت (یعنی شراء ما باع بأكثر مما باع بعد نقد الثمن) میں بائع زیادہ مالیت میں وہی چیز مشتری سے دوبارہ خرید کر اپنے اوپر اضافی رقم لازم کرتا ہے، ایک صورت میں مشتری پر اضافی رقم لازم ہوتی ہے اور دوسری صورت میں بائع پر، اور دونوں میں حقیقۃً بیع مقصود نہیں ہوتی بلکہ قرض لینا مقصد ہوتا ہے اور بیع کو سود کے لین دین کا حیلہ بنایا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کے عدمِ جواز کی تصریح اگرچہ حضراتِ فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں نہیں مل سکی لیکن چونکہ یہ صورت معنیً پہلی صورت یعنی شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن کے مشابہ ہے جس کے ناجائز ہونے کی صراحت حضراتِ فقہاءِ حنفیہؒ نے کی ہے، نیز حضراتِ فقہاء مالکیہؒ وحنابلہؒ نے بھی اس صورت کے ناجائز ہونے کی تصریح کی ہے لہٰذا یہ صورت (یعنی شراء ما باع بأكثر مما باع بعد نقد الثمن) بھی ناجائز ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ البتہ اس کیلئے دو متبادل جائز صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں جو آگے جواب نمبر (۳) میں آرہی ہیں۔

فی الشرح الكبير لابن قدامةؒ (فصل باع سلعة بنقد ثم اشتراها بأكثر منه نسيئة)

فان باع سلعة بنقد ثم اشتراها بأكثر منه نسيئة فقال أحمد فی رواية حرب لايجوز إلا أن تتغير السلعة لان ذلك يتخذ وسيلة إلى الربا فهی كمسألة العينة، فان اشتراها بسلعة أخرى أو بأقل من ثمنها أو بمثله نسيئة جاز لما ذكرنا فی مسألة العينة، وان اشتراها بنقد آخر بأكثر من ثمنها فهو كمسألة العينة على ما ذكرنا من الخلاف، قال شيخنا ويحتمل أن يكون له شراؤها بجنس الثمن بأكثر

(جاری ہے)

منـه إذ لم يكن ذلك عن مواطأة ولا حيلة بل وقع اتفاقا من غير قصد لان الاصل حـل البيـع وانـمـا حـرم فى مسألة العينة للاثر الوارد فيه وليس هذا فى معناه لان التوسل بذلك أكثر فلا يلحق به ما دونه ـ

كذا فى المغنى لابن قدامةؒ (١٣٣/٤)

وفى المدونة فى فقه المالكى (فصل ما جاء فى بيع الطعام يشترى جزافا قبل أن يستوفى)

قلت : صف لى أصحاب العينة فى قول مالك ؟ قال : أصحاب العينة عند الناس قد عـرفوهـم يأتى الرجل إلى أحدهم فيقول له : أسـلفنى مالا فيقول : ما أفعل ، ولكن أشتـرى لك سـلعة من السوق فأبيعها منك بكذا وكذا ثم أبتاعها منك بكذا وكذا أو يشترى من الرجل سلعة ثم يبيعها إياه بأكثر مما ابتاعها منه .

وفى أبحاث هيئة كبار العلماء

فإن قيل : فـمـا تـقولون فيمن باع سلعة بنقد ثم اشتراها بأكثر منه نسيئة ؟ **قلنا** : قد نص أحـمـد فـى رواية حـرب على أنه لا يجوز إلا أن تتغير السلعة؛ لأن هذا يتخذ وسيلة إلى الـربا، فهو كمسألة العينة سواء ، وهى عكسها صورة، وفى الصورتين قد ترتب فى ذمته دراهـم مؤجلة بأقل منها نقدا، لكن فى إحدى الصورتين : البائع هو الذى اشتغلت ذمته، وفى الصورة الأخرى : المشترى هو الذى اشتغلت ذمته فلا فرق بينهما ـ

وفى فقه المعاملات

وقد نص العلماء رحمهم الله تعالىٰ أن عكس العينة كالعينة فى التحريم للأحاديث الواردة فى ذلك ـ

(۳).....اس کے متبادل کے طور پر دو صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

ا.....پہلی صورت ''بیع بالوفاء'' کی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ آپ اپنی دوکان کا ایک متعین حصہ، متعین رقم کے عوض کسی کو فروخت کردیں، اور فروخت کرتے وقت اس حصۂ دوکان کو دوبارہ خریدنے کی شرط نہ لگائی جائے بلکہ خرید وفروخت کا معاملہ کرنے سے پہلے یا بعد میں آپ اور خریدار آپس میں یہ وعدہ کرلیں کہ جب آپ کے پاس تیس لاکھ روپے ہونگے اور آپ دوکان کا وہ حصہ واپس خریدنا چاہیں گے تو وہ وعدہ کے مطابق آپ کو بیچنے کا پابند ہوگا، تو اس طرح یہ معاملہ درست اور جائز ہوجائیگا اور اس شخص پر اس وعدہ کی پاسداری قضاءً بھی لازم ہوگی۔ پھر آئندہ جب آپ کے پاس رقم کا انتظام ہوجائیگا تو وہ اپنے وعدے کے مطابق آپ کو دوکان کا وہ حصہ فروخت کردے گا (کذا فی امداد الفتاویٰ: ۱۰۸/۳)۔ نیز اگر آپ یہ حصہ فروخت کرنے کے بعد خریدار کی رضامندی سے اس کو کرایہ پر لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں۔

(جاری ہے)

۲.....دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنی دوکان کا ایک متعین حصہ رقم کی ایک متعین مقدار کے عوض فروخت کردیں اور اس حصے کو واپس خریدنے کا کوئی ذکر نہ کریں۔اس طرح آپ کو رقم مل جائیگی اور وہ شخص اس حصے کا مالک بن جائیگا۔اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو مذکورہ حصہ اس شخص سے کسی بھی رقم کے عوض کرایہ پر لے لیں، یا اگر وہ بلا کرایہ آپ کو یہ حصہ استعمال کرنے کے لئے دیدے تو بھی درست ہے۔اس کے سال دوسال بعد جب کبھی آپ کے پاس رقم کا انتظام ہوجائے تو اس وقت اس حصے کی جتنی بازاری مالیت ہو یا جتنی قیمت پر فریقین کا باہمی رضامندی سے اتفاق ہوجائے اتنی قیمت پر آپ مذکورہ حصہ واپس خرید لیں۔

فی الدرالمختار (۲۷٦/٥)

وبيع الوفاء ..... صورته أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين وسماه الشافعية بالرهن المعاد ويسمى بمصر بيع الأمانة وبالشام بيع الإطاعة قيل هو رهن فتضمن زوائده وقيل بيع يفيد الانتفاع به ، وفي إقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى ، وقيل إن بلفظ البيع لم يكن رهنا ـ

ثم إن ذكرا الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح كما في الكافي و الخانية ـ

وفی فتاویٰ قاضیخان

واختلفوا في البيع الذي يسميه الناس بيع الوفاء أو بيع الجائز ..... والصحيح أن العقد الذي جرى بينهما إن كان بلفظ البيع لا يكون رهناً ثم ينظر إن ذكرا شرط الفسخ في البيع فسد البيع ..... وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس۔

وفی فقه البیوع (٥١٨/١)

اما اذا كان الوعد بالوفاء قبل البيع،ثم عقدا البيع بغير شرط،فقداختلف فيه اقوال المتاخرين من الحنيفية۔فقال ابن قاضي سماوة في جامع الفصولين":ولو تواضعا(اى التلجئة)قبل البيع،ثم تبايعابلاذكر شرط،جاز البيع عندح رحمه الله،الا اذا تصادقا انهما تبايعا على تلك المواضعة۔وكذالوتواضعا الوفاء قبل البيع،ثم عقدا بلاشرط الوفاء ،فالعقد جائز،ولاعبرة للمواضعة السابقة"۔

(جاری ہے)

ومعناه ان المواضعة السابقة للوفاء لاتلتحق باصل العقد،فیجوز البیع ،کماجاز فی المواضعة اللاحقة۔واعترض علیه ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ بانه ینبغی الفسادلواتفقا علی بناء العقدعلیه۔وتعقبه الاتاسی رحمه الله تعالیٰ بانه بحث مخالف للمنقول۔ولکن یبدو ان النزاع لفظی؛لان صاحب جامع الفصولین صرح بالاستثناء من الجواز ماذا تصادقا انهما تبایعا علی تلك المواضعة،ومعناه انهما اذا بنیاالعقد علی المواضعة السابقة بتصریح انه مشروط بتلك المواضعة،تبین ان الشرط فی صلب العقد،وهو مفسد۔والذی جوزه فی جامع الفصولین ان تکون المواضعة لیس لها ذکرفی العقد،ولیس هناك تصادق بانهمابنیا العقد علیها۔وحینئذ لا وجه لعدم الجواز۔وبجوازه افتی شیخ مشائخنا التهانوی رحمه الله تعالیٰ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بندہ محمود الحسن عفی عنہ)

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

غرۃ جمادی الثانیہ ۱۴۴۱ھ

27/جنوری 2020ء

الجواب صحیح

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱-۶-۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف غفر اللہ

۲/۶/۱۴۴۱ھ

28-01-2020 شمسی

الجواب صحیح

بندہ عبد الرؤف سکھروی

۳-۶-۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح

۳/۶/۱۴۴۱ھ

دارالافتاء

00022